کتاب نما

پاکستان کیوں ٹوٹا؟ ' ڈاکٹر صفدر محمود۔ ناشر: جنگ پبلشرز' لاہور۔ صفحات: ۳۰۳۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

سقوط ڈھاکہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کی تاریخ کا ایک المناک سانحہ ہے۔ لیکن اس سے زیادہ المناک بات یہ ہے کہ ہم نے اس سانحے سے کوئی سبق نہیں سیکھا' بلکہ اسے فراموش ہی کر دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:۔

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

کیا ہم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اپنا ایک بازو علیحدہ ہو جانے کے بعد ہم نے اپنی زندگی اور اپنی تقدیر کو بدلنے کے لیے کچھ کیا ہے؟ کچھ سوچا ہے؟ ہماری سوچ اپنے اقتدار کی کرسی مضبوط سے مضبوط تر کرنے تک ہی محدود ہے۔ ہماری عملی سرگرمیاں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور دھونس جمانے اور حیلہ و زور اور مکر و فن سے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے سے شروع ہوتی ہیں اور لوٹ مار سے جمع کی ہوئی دولت غیر ملکی بنکوں میں جمع کرنے پر ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا یہی زندگی کی علامت ہے؟

مشرقی پاکستان کی علیحدگی' پاکستان کی تاریخ کا جتنا بڑا واقعہ ہے اس کے بارے میں اتنا ہی کم سوچا اور لکھا گیا ہے۔ ہمارا رویہ آنکھیں بند کر لینے والے روایتی کبوتر کا سا ہے۔ ہمارے مصنفین' دانشور' تجزیہ نگار' صحافی اور پروفیسروں کی ترجیحات دیگر ہیں۔ تاریخ پاکستان کے اس المناک باب پر غیر ممالک میں (خواہ ان کے اپنے اپنے نقطہ نظر ہی سے سہی) جتنا کچھ لکھا ہے اور جتنی کتابیں چھپی ہیں' اندرون ملک شاید اس کا دسواں حصہ بھی تیار نہیں ہوا۔ اس مایوس کن صورت حال میں ڈاکٹر صفدر محمود کی یہ کتاب بساغنیمت ہے۔ اصلاً یہ انگریزی میں تحریر کی گئی تھی' ۱۹۹۰ میں اس کا زیر نظر اردو ترجمہ پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اب یہ دوسری مرتبہ چھپی ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے پیش نظر موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے جذباتی یا جانب دارانہ انداز نہیں اپنایا بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حقائق و واقعات کی روشنی میں اس سانحے کی گرہیں کھولنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود بتاتے ہیں کہ علیحدگی کے عمل کا آغاز قیام پاکستان کے چند ماہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ شیخ مجیب

الرحمٰن نے متعدد بار اعتراف کیا کہ وہ ۱۹۴۸ ہی سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لیے کام کر رہے تھے۔ اس "کام" میں گوناگوں عوامل و اسباب نے علیحدگی پسندوں کی مدد کی۔ ان میں برسراقتدار طبقے کی غلط اور احمقانہ سیاسی اور معاشی پالیسیاں، ہندوؤں کی منصوبہ بندی، کمیونسٹوں کی تخریبی سرگرمیاں، فوج کی خلاف حکمت کارروائیاں اور آخر میں بھارت کی براہ راست اور جارحانہ مداخلت شامل ہے۔ مصنف نے جملہ پہلوؤں پر سیرحاصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے باب ۷ میں علیحدگی کے عمل میں غیرملکی عالمی طاقتوں کے کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مارچ ۱۹۷۱ کی فوجی کارروائی علیحدگی کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی (اس کارروائی پر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا: "شکر ہے پاکستان بچ گیا") ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں: "بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام دراصل پاکستان کے خاتمے کا اعلان تھا" (ص ۱۱۴)۔

محنت اور تحقیق سے لکھی گئی اس کتاب میں حوالوں اور شواہد کے ساتھ مسئلے کا معروضی اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس سے سانحے کے حقیقی محرکات سامنے آتے ہیں اور اس ڈرامے کے جملہ کردار بھی بڑی حد تک بے نقاب ہوتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں تین ضمیمے شامل ہیں:۔ (۱) ۶ نکات کا متن، (۲) راؤ فرمان علی کا انٹرویو (یہ چشم دید حالات و واقعات لائق مطالعہ ہیں)، (۳) ۱۹۴۷ سے ۱۹۷۱ تک پاکستان کی مرکزی وزارتوں کی تفصیل۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان کو "برابری" کی بنیاد پر اقتدار میں شریک نہیں کیا گیا۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ اشخاص بھی شامل ہے۔

پاکستان کی موجودہ صورت حال خود احتسابی سے مجرمانہ غفلت کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود کی زیرنظر قابل قدر کاوش میں ہمیں آئینہ دکھایا گیا ہے اور اقبالؒ کے الفاظ میں یہ کتاب ہمیں "ہر زماں اپنے عمل کا حساب" کرنے کی دعوت دیتی ہے کہ قوموں کی زندگی اور بقا خود احتسابی کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابت، طباعت اور مجموعی پیش کش بہت عمدہ ہے۔ (**رفیع الدین ہاشمی**)

تاریخ جہاد افغانستان ، ڈاکٹر ایچ بی خان۔ ناشر: الحمد اکادمی، ۲ جے، ۱۸ ناظم آباد، کراچی، ۷۴۶۰۰۔ بڑی تقطیع کے صفحات: ۳۹۶۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

زیرنظر کتاب افغانستان کے حالیہ جہاد کی واقعاتی تاریخ ہے جو ملک پر اشتراکی عناصر کے تسلط، اور پھر دسمبر ۱۹۷۹ میں وہاں روسی فوجوں کی یلغار کے نتیجے میں شروع ہوا۔ ابتدا میں کچھ جغرافیائی معلومات ہیں، پھر قبائلی اور نسلی گروہوں کی تعداد و روایات کا ذکر ہے، اس کے بعد تاریخی پس منظر دیا گیا ہے۔

مسلمان ساتویں صدی عیسوی صوبہ ہلمند میں پہنچے (غالباً دور فاروقیؓ میں) اور نویں صدی میں کابل ان

کے زیر نگیں آیا۔ اس طرح بطور پس منظر مصنف نے جہاد افغانستان سے ماقبل کی سیاسی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں انھوں نے مختلف بادشاہوں کے ادوار حکومت، خانہ جنگیوں، اندرونی بغاوتوں، لڑائیوں، انقلابات اور بیرونی طاقتوں خصوصاً روس اور برطانیہ کی مختلف النوع مداخلتوں اور سازشوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ کتاب کا دوسرا (نصف سے زائد) حصہ اپریل ۱۹۷۸ میں داؤد حکومت کے خاتمے سے مئی ۱۹۸۸ میں معاہدہ جنیوا تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ مولف نے افغانوں کے مزاج، نفسیات، دین داری اور مذہب سے غیر معمولی وابستگی، غیرت وحمیت، جرات و بہادری، مزاحمتی افتاد طبع اور جنگ جویانہ کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ذرائع مواصلات، معیشت و زراعت، معدنیات اور تعلیمی صورت حال کا بھی مختصر ذکر ملتا ہے۔ اس طرح زیر نظر کتاب میں افغانستان خصوصاً جہادی سرگرمیوں سے متعلق ہمہ پہلو معلومات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حصہ دوم کا باب ۱۱ جہاد افغانستان سے متعلق واقعات کی تواریخ (Chronology) پر مشتمل ہے۔

کتاب پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ بعض حصوں کی خاطر خواہ ترتیب و تسوید نہیں ہو سکی مثلاً ص ۵۱ پر "افغانستان میں معدنی وسائل" کا ذکر ہے۔ تین صفحات بعد پھر اسی عنوان سے کچھ مزید باتیں درج کی گئی ہیں۔ اسی طرح ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ جنیوا میں معاہدہ روبہ عمل آچکا ہے۔ مگر دوسری جگہ یہ ذکر آتا ہے کہ پاکستان کے کمیونسٹ دانشور، جنیوا مذاکرات پر زور دے رہے ہیں--- وغیرہ۔ ص ۳۸۹ پر شکرگڑھ کے سید صادق حسین شاہ کا ایک معروف شعر (تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب) غلط طور پر علامہ اقبالؒ سے منسوب کیا گیا ہے۔ مزید برآں شعر کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے: "بادی تند مخالف"--- جو درست نہیں۔ ڈاکٹر ایچ بی خان معروف مصنف، مورخ اور محقق ہیں۔ انھوں نے اپنی دوسری تصانیف کی طرح زیر نظر تالیف میں بھی نہایت عرق ریزی اور محنت سے متعلقہ مواد (لوازمہ) جمع کیا ہے۔ توقع ہے یہ قابل قدر کاوش، افغانستان کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے استفادے اور رہنمائی کا باعث ہو گی۔ (ر-ہ)

بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، مرزا محمد الیاس۔ ناشر: حرا پبلی کیشنز، ۲/۱۴ فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۲۸۔ قیمت: ۹۶ روپے۔

اس کتاب میں وہ الزامات زیر بحث ہیں جو "مغرب" نے مسلمانوں، خصوصاً عصر حاضر کی تحاریک اسلامی پر لگائے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک یورپ یہ کہتا رہا کہ "اسلام اپنے پیروؤں کو خون ریزی کی تعلیم دیتا ہے"۔ اب الفاظ بدل کر "بنیاد پرست" کہہ کر مغرب اسی الزام کو دہرا رہا ہے۔ یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی ہے۔ آج بہت سے اسلام پسند خود کو بنیاد پرست کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش

نہیں کرتے کہ اس اصطلاح سے مراد کیا ہے؟ یہ مسلمانوں کی سادہ لوحی ہے۔ امت مسلمہ بحیثیت مجموعی اپنے حالات پر تجزیاتی نگاہ ڈالنے کے قابل بھی نہیں۔ عالم اسلام میں جدید علوم سے ابھی تک دوری موجود ہے۔ مصنف ایک جگہ دینی احیا یا سیاسی انقلاب کی شاہراہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں: "شاید اسلامی نظام کو نافذ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ ہم اقتدار پر قابض ہو جائیں (پھر) لوگوں کی تربیت کریں (حالانکہ) تاریخ نے کسی ایسے انقلاب کا حوالہ نہیں دیا ہے جو اقتدار کے ذریعے آیا ہو۔ ہر انقلاب، تعلیم اور اخلاقی قدروں کی اعلیٰ تربیت کے ذریعے ہی آیا ہے۔ دوسری طرف یہ سوال ابھرتا ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے اقتدار اور اختیار کہاں سے آئے گا؟" (ص ۱۰۸)۔ ان حوالوں سے تحاریک اسلامی میں جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں (ہمارے خیال میں) اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انسانی تاریخ اور اس کے مختلف سماجی عوامل سے مناسب طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ تحاریک اسلامی جن معاشروں کا حصہ ہیں، ان کا عقلی اور تمدنی معیار زوال کا شکار ہے۔

"بنیاد پرستی" کے بارے میں مصنف تین باتیں کہنا چاہتے ہیں: ۱۔ تحاریک اسلامی کو خود کو "بنیاد پرست" نہیں کہلوانا چاہیے، ۲۔ بنیاد پرستی ایک الزام ہے اور اس کی وجہ غلط فہمی ہے یا سازش، ۳۔ جلد بازی، کوتاہ نظری، بے اخلاقی، بے عقلی اور جذباتیت پر مشتمل ہمارے کچھ رویے ہیں جو مسلمانوں پر بنیاد پرستی کا الزام لگانے والوں کو بہانہ مہیا کرتے ہیں۔ پہلے باب میں مصنف بتاتے ہیں کہ آج کی دنیا میں بنیاد پرستی کا عموماً یہ مفہوم لیا جاتا ہے: "قدامت پرستی، حد سے بڑھی جذباتیت، ترقی دشمنی، عدم برداشت اور تشدد پروری وغیرہ"۔ مزید یہ کہ سب سے پہلے یہ اصطلاح ایک قدامت پرست، عقل دشمن اور حرف پرست عیسائی فرقے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔

اسلام پر لگائے جانے والے قدامت پرستی کے الزام کے جواب میں مصنف کی دوسری بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام تمدنی ترقی اور ارتقا کا مخالف نہیں البتہ کم فہم مسلمانوں کا رویہ اس بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے۔ مگر دیکھیے کہ: "یورپ نے سوڈان کی موجودہ حکومت کو بنیاد پرست کہہ کر مسترد کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ یہ ترقی کی دشمن نہیں" (ص ۵۳)۔ کتاب کے پانچویں اور چھٹے باب کا بنیادی خیال یہ ہے کہ ہم چودہ سو سال واپس جانا نہیں چاہتے، ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں مگر اپنے انداز سے۔ ہماری تہذیب منفرد ہے اور (ہمارا تمدن جس بھی مرحلے میں ہو) ہماری تہذیب سیکولر مغربی تہذیب سے برتر ہے۔ مصنف کی اس دلیل کی تائید میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ تحاریک اسلامی، تمدن کو تاراج کرنے والے وحشی قبائل اور منگولوں کی طرح تمدن دشمن قوتیں نہیں، صرف ترقی کے اس انداز کی مخالف ہیں، جس میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جائے۔

کتاب کے دوسرے نصف کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مغرب دراصل خود ان خرابیوں میں مبتلا ہے، جن کا

الزام وہ دوسروں کو دیتا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ مغرب مذہب کی عطا کردہ اخلاقی راہنمائی سے محروم ہو کر معاشرتی و اخلاقی تباہی اور نسل پرستی کے امراض میں مبتلا ہے اور دنیا میں زیادہ تر تشدد نسل پرستی کے باعث ہوا ہے، مذہب کے باعث نہیں۔ مغرب انسانی حقوق کے حوالے سے ہمیں معطون کرتا ہے، مگر خود مغرب میں انسانیت ختم ہو چکی ہے اور انسانیت کے لیے نظریہ ارتقا جیسے توہین آمیز نظریات کا رواج ہے۔ آخری باب میں دہشت گردی کے الزام کی تفصیلات ہیں اور جواب میں بتایا گیا ہے کہ خود مغربی معاشروں میں تشدد کس حد تک رواج پا چکا ہے اور یہ بھی کہ غیر مسلموں نے اس دور میں مسلمانوں پر کتنے وحشیانہ مظالم ڈھائے ہیں۔

ہر باب کے آخر میں حوالہ جات کا اہتمام مصنف کے وسیع مطالعے کو ظاہر کرتا ہے مگر موضوع کی بار بار اور اچانک تبدیلیاں قاری کو پریشان رکھتی ہیں۔ اقتباسات اور تراجم کی کثرت سے بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مصنف کس بات کو تائید کرتے ہوئے نقل کر رہے ہیں، کہاں مخالفین کے الزامات کا بیان ہے اور کون سے خیالات مصنف کے اپنے ہیں۔ **(ڈاکٹر بلال مسعود)**

Colonialization of Islam، جمال ملک۔ ناشر: وین گارڈ بکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ، دی مال، لاہور۔ صفحات: ۳۵۹۔ قیمت: درج نہیں

اسلام میں کسی ایسی پاپائیت (clergy) کی گنجایش نہیں ہے جو خدا اور بندے کے درمیان واسطے اور رابطے کا کام کرے مگر حصول علم، خصوصاً علوم دینیہ میں کمال حاصل کرنا بڑے مقام و مرتبے کی بات ہے۔ گئے گزرے زمانے میں بھی دینی مدارس، علما، مشائخ اور فقہا، اسلام کے پیغام کو پھیلا رہے ہیں۔ علوم دینیہ کے مدارس میں جدید علوم والسنہ سے بے نیازی یا اپنے اپنے فقہی مسلک سے دیوانگی کی حد تک اندھی وابستگی کے رجحانات اصلاح طلب ہیں۔ اس طرح ان کے نصاب میں بھی حذف و اضافے کی ضرورت ہے۔

مغرب کے تحقیقی ادارے عام طور پر مسلمانوں کے مختلف اداروں پر مطالعہ و تحقیق کے بعد یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو دور قدیم کی یادگار ہیں اور ان کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔ زیر نظر کتاب کا موضوع تحقیق، پاکستان کے دینی تعلیمی ادارے ہیں۔ یہ بحث بھی کی گئی ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کی وجہ کیا ہے اور رفتار زوال کیا ہے؟ دیوبندی بریلوی اختلافات کیا ہیں؟ پھر ان دونوں کی جانب سے ایک دوسرے کی تکفیر اور تسخیر کے لیے تیار کردہ لٹریچر کیسا ہے؟ گروہی اختلاف سے جو افتراق پیدا ہوتا ہے، اسے اعداد و شمار اور چند گوشواروں سے واضح کیا گیا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل جو جو کام نہ کر سکی، ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد نے علوم جدید و قدیم کو ملا کر جو آمیزہ و

مرکب بنایا ہے اس پر رائے دی گئی ہے۔ اصلاً یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جو جناب جمال ملک نے ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کے ساؤتھ ایشیا انسٹی ٹیوٹ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے تحریر کیا تھا۔ وہ آج کل بون یونی ورسٹی، جرمنی کے اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ پاکستان کے دینی تعلیمی اداروں میں نفاذ اسلام کے لیے صدر جنرل محمد ضیا الحق کے اقدامات، اسلامی نظریاتی کونسل، جماعت اسلامی، دیگر مذہبی جماعتوں اور بعض متشدد گروہوں وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ نو آبادیاتی دور کی طرز پر بننے والی ریاست کس طرح روایتی اور غیر روایتی اداروں سے قوت حاصل کرتی ہے۔ خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"..... اسلام آباد (حکومت) ایک خاص تعریف والے اسلام کی تنفیذ چاہتی ہے تاکہ دور جدید کے ترقیاتی عمل میں حصہ لے سکے۔ قومی معاملات کو بین الاقوامی بنانے کے سبب جدید اور قدیم دو متصادم گروہوں کے درمیان معاملات میں حدت و شدت آئی ہے۔ اس کی بدولت گروہی اور لسانی اختلافات عروج پر پہنچے ہیں۔ اس کی وجہ اقتصادی و معاشرتی مواقع ہیں۔ روایتی کلچر اور سماجی حالت کے ٹکراؤ نے پاکستان کو اس منزل تک پہنچایا"۔ (ص ۷-۳۰۶)

جناب مصنف کی محنت سے انکار نہیں لیکن یہ نشان دہی ضروری ہے کہ جدید و قدیم کے درمیان جو اختلاف ہے اس کے پس منظر میں صرف اور صرف روایتی تعلیمی ادارے ہی نہیں ہیں بلکہ دیگر امور بھی ہیں، نیز پاکستان کو ایک قومی ریاست سمجھنا اور اس کو کسی مخصوص مذہبی نقطہ نظر کے نفاذ کا علم بردار قرار دینا درست نہیں۔ وطن عزیز میں جو خون خرابہ ہو رہا ہے وہ دین کی وجہ سے نہیں، بلکہ دین سے فرار کے سبب ہے۔ **(محمد ایوب منیر)**

اقبالیات کے چند خوشے، ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان، ۲۷۲/اے او بلاک ۳، سیٹلائیٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۲۱۰۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نامور عالم، ادیب اور نقاد ہیں۔ مطالعہ اقبال سے بھی گہرا شغف رکھتے ہیں۔ تیرہ مضامین پر مشتمل زیر نظر مجموعہ ان کی اقبال شناسی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان مضامین کی حیثیت علمی بھی ہے، فکری بھی اور تعلیمی بھی۔ مختلف عنوانات ("اقبال اور عصبیت"، "اقبال کا نظریہ اجتہاد"، "اقبال اور تیسری دنیا"، "اقبال کا مرد مومن"، "اقبال اور تحریک پاکستان" اور "اقبال اور تعلیم" وغیرہ) کے تحت اقبالیات کے مختلف گوشوں کو عام فہم اور دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اقبال کے "نور بصیرت سے ہر دھڑکتا ہوا دل روشنی اور حرارت پا سکے"۔ بعض نامور اقبال شناسوں نے کوثر صاحب کے مضامین کو سراہا ہے۔ (ر-ہ)

اسلامی نظم اور اس کے لوازم، ڈاکٹر سید حسن الدین احمد، ڈاکٹر شجاعت علی برنی، ڈاکٹر طلعت سلطان، ڈاکٹر فرحت علی برنی۔ ناشر: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: ۴۸ روپے۔

دنیا کی پانچ ارب سے زائد آبادی کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے گویا عیسائیت کے پیروکاروں کے بعد سب سے زیادہ تعداد اسلام کے شیدائیوں کی ہے۔ دنیا کے کم و بیش پچاس ممالک میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا میں مسلمان کل آبادی کا ایک اہم عنصر ہیں۔ اس افرادی کثرت اور بے پناہ قدرتی وسائل کے باوجود مسلمان، دنیا میں ایک درماندہ اور پسماندہ قوم ہیں۔ ان کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اور وہ اپنی حیثیت منوانے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں کی اس مخدوش حالت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ان میں نظم و ضبط کا فقدان ہے۔ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والی جماعتوں کی اکثریت تنظیم سے محروم ہے۔ اگر ان کا نظم بہتر ہو جائے تو ان کی سرگرمیاں زیادہ موثر ہو سکتی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

زیر نظر کتاب کے مولفین ملت اسلامیہ کی اس اجتماعی ضرورت کے احساس سے سرشار ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ تربیت محض جلسے جلوسوں سے نہیں ہوتی، اس کے لیے جدید اور موثر ذرائع کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کا ایک ذریعہ "ورکشاپ" ہے۔ ورکشاپ سے مراد ایسا اجتماع ہے جس میں ماہرین کسی موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور حاضرین بھی اس میں شرکت کرتے ہیں۔ شرکا، مجہول سامعین نہیں ہوتے، وہ اپنے اندر موضوع کے علمی و عملی پہلوؤں کا جائزہ لینے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں اور اس طرح اپنی موثر شمولیت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اس کتاب کے چاروں مولفین ایک عرصے سے دعوت و تبلیغ سے وابستہ ہیں اور دینی تربیت کی غرض سے ورکشاپوں کے انعقاد کا بہت تجربہ رکھتے ہیں اور ان کی نظر خاصی گہری اور وسیع ہے۔ اس کتاب سے دینی حلقے اور جماعتیں بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ کتاب کی امتیازی خصوصیت اس کی جامعیت اور ہمہ گیریت ہے۔ موضوع سے متعلق تقریباً ہر نکتہ، اختصار مگر صریح انداز سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اصطلاحات کی توضیحی فہرست کتاب کی افادیت کو اور بڑھا دیتی ہے۔ البتہ ایک بات کی کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسے جائزہ فارم کی تیاری کو نظرانداز کر دیا گیا ہے جس سے ورکشاپ کی افادیت اور قدر و معیار یا کمی کوتاہی کا اندازہ ممکن ہو۔ یہ فارم عموماً ورکشاپ کے آغاز میں شرکا میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور آخر میں ان سے واپس لے لیا جاتا ہے۔ اس میں شرکا، ورکشاپ کے مقاصد کی تکمیل اور

انتظامات وغیرہ کے حوالے سے اپنے تبصرے، آرا اور تاثرات رقم کرتے ہیں۔ اس سے منتظمین کو اپنی کارکردگی کے محاسن و معائب کا پتا چلتا ہے اور آیندہ ورکشاپ کے معیار کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ضروری رہنمائی ملتی ہے۔ مجموعی طور پر کتاب بہت مفید ہے اور تبلیغ و اشاعت دین سے وابستہ افراد کے لیے موزوں لائحہ عمل تیار کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

کتب موصولہ

☆ **اصلاح تعلیم**، مقصود احمد۔ ناشر: تعمیر ملت فاؤنڈیشن، معرفت شفا انٹرنیشنل ہسپتال، ایچ، ایٹ /۴، اسلام آباد۔ صفحات: ۳۰۔ قیمت: ۱۵ روپے۔ [نظام تعلیم میں اصلاح کے مختلف طریقے، تدریسی، نصابی، امتحانی، علمی، مواصلاتی، مالی--- آپ "کوئی ایک یا ایک سے زائد کام شروع کیجیے--- رہنمائی کیجیے"۔]

☆ **بساط ذکر و فکر**، اسلامی ادب، مدیر: یعقوب سروش۔ پتا: شریف کامپلیکس آرمور، ضلع نظام آباد (اے پی) بھارت۔ صفحات: ۵۲۔ قیمت: ۱۵ روپے۔ [اسلامی ادب کا ترجمان، مقالے، غزلیں، افسانے، نظمیں، آسمانی ادب وغیرہ۔ بامقصد نگارشات کا اختصار، اہم خوبی ہے۔]

☆ **درس قرآن**، مرتبہ: محمد عمر خاں۔ ناشر: تحریک منہج پاکستان، قصر عبداللہ، ۸۴۸/۱۰۵ کہکشاں سٹریٹ نمبر ۵، نیو گل گشت کالونی، ملتان۔ صفحات: ۱۶ یا ۲۴۔ قیمت: ۴ روپے فی کتابچہ۔ [مختلف موضوعات پر درس قرآن کے سلسلے وار مفید کتابچے۔ "ان افراد کے لیے، جو درس قرآن کی تیاری کی خواہش رکھتے ہوں"۔ انفرادی مطالعے کے لیے نفع بخش۔]

☆ **کلیات طب کے مصادر و مراجع**، محمد رضی الاسلام ندوی۔ ملنے کا پتا: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۶۰ کوچہ جیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔ بھارت۔ صفحات: ۲۰۰۔ قیمت: ۸۰ روپے۔ [اس تحقیقی مقالے پر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے، مصنف کو ماہر طب (M.D.) کی سند عطا کی۔ یونانی طب کے اہم مضمون کلیات پر حکمائے قدیم کی چالیس معروف کتابوں کا تعارف۔ ماہرین علم طب نے اس کاوش کو سراہا ہے۔]

☆ **عبداللہ بن ابی سلول**، ابن عبدالشکور۔ ناشر: کوثر پبلی کیشنز، بنگلور، بھارت۔ صفحات: ۱۵۵۔ قیمت: ۵۰ روپے۔ [مصنف کی بعض کتابوں پر تبصرہ آ چکا ہے۔ مئی، جون ۱۹۹۶--- یہ ان کی نئی کاوش ہے۔ رئیس منافقین پر بہت سا لوازمہ یک جا کیا گیا ہے۔]